حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کی مدت

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

بعض اہلِ علم نے زنانِ مصر کے واقعہ کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کے قید کیے جانے کی مدت کو نامعلوم قرار دیا ہے۔شاید ان کو قرآنی آیاتِ کریمہ کی متعلقہ تعبیر اور احادیث و روایات کی تنقیح کا موقع نہیں ملا، یا وہ ان کی نظر سے اوجھل رہ گئی ہیں۔متعدد قدیم و جدید مفسرین وشارحین کے علاوہ ماہرینِ لغت نے بھی قرآن و حدیث میں مذکور لفظ کی تشریح کی ہے۔ان میں سے بعض تشریحات خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی مروی ہیں۔ان کے علاوہ قرآن کریم کی تفسیری وتصریفی روایات وتشریحات بھی قیدِ یوسفؑ کی مدت کی تعیین کرنے میں مدد دیتی ہیں۔جیسا کہ قرآن کریم کی تفسیر و تاویل میں مسلمہ قاعدہ ہے کہ اس کے بعض حصے اور بعض آیات دوسرے حصوں اور آیتوں کی تفسیر کرتی ہیں۔اسی طرح حدیث و سیرت کی روایات اور تاریخی واقعات و شواہد بھی دوسرے قرائن کے ساتھ مل کر تصریح و تعیین کرتی ہیں۔۱؎

اصل مسئلہ یہ ہے کہ متعدد مفسرین وشارحین نے قیدِ یوسفؑ کی مختلف مقداریں (مقادیر) بتائی ہیں۔ ان میں ان کا قصور صرف یہ ہے کہ انھوں نے مختلف روایاتِ تفسیر کے درمیان محاکمہ نہیں کیا اور صرف پسندیدہ روایت لے لی۔بغیر تحقیق کے اس انتخاب نے ایک طرح کا نزاع کھڑا کر دیا، جیسا کہ متعدد تفسیری اقوال و روایات کو بلا نقد قبول کرنے میں ہوتا ہے۔اس مقالے میں اس نزاعی مسئلے اور روایاتِ تفسیر کے اختلاف کا تجزیہ و تحلیل کرنے کی ایک تحقیقی کوشش کی جارہی ہے۔اس کا دائرہ خاصا وسیع ہے کہ وہ آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبوی، روایاتِ متقدمین اور اقوالِ شارحین کے ساتھ قرآن و حدیث کے مجموعی تناظر کو بھی محیط ہے۔

قیدِ یوسفی کا آغاز اور مقصد

اگرچہ زوجۂ عزیز۔زلیخا۔اور زنانِ مصر کی مساعی کے باوجود حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت ثابت ہوگئی تھی اور ان کے اپنے شاہدِ عدل کی گواہی کے ساتھ خود عزیزِ مصر نے بھی اپنی خطا کار بیوی کی گرفت و سرزنش کی تھی، تاہم حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تفسیر و تاویل کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکیزگیٔ کردار کا وسیع تر اثبات و اعلان کرنے کی خاطر حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانے میں بھیجا جانا ضروری سمجھا گیا۔ اسی کو قرآن مجید کی آیتِ کریمہ (یوسف: ۳۵) میں 'آیات ملاحظہ کرنے' سے تعبیر کیا گیا ہے: ''**ثُمَّ بَدَا لَهُم مِّن بَعْدِمَا رَأَوُا الآيَاتِ لَيَسْجُنُنَّهُ حَتَّى حِينٍ**'' (پھر یوں سوجھا لوگوں کو، وہ نشانیاں دیکھنے پر، کہ قید رکھیں اس کو ایک مدت: شاہ عبدالقادر دہلویؒ)۔ ۲؎

اس بحث میں اصل نکتہ اس آیتِ کریمہ کا آخری فقرہ 'حتی حین' ہے، جس کا ترجمہ 'ایک مدت' کیا گیا ہے۔ اس کی سب سے عمدہ تشریح مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے کی ہے، جو روح المعانی، تفسیر کبیر، تفسیر قرطبی اور جلالین کے اقتباسات اور حوالوں سے پیش کی گئی ہے۔ 'حتی حین' پر مولانا موصوف کا حاشیہ یہ ہے: ''اکثر قدیم قوانین میں ایک دستور یہ تھا کہ بادشاہ مجرم کو سزا کسی مخصوص و متعین میعاد کے لیے نہیں دیتا تھا، بلکہ جب تک اپنی مرضی ہو، اسے قید رکھتا تھا۔ حضرت یوسفؑ کی سزا یابی بھی عجب نہیں کہ اسی قسم کی ہو۔ ہماری تفسیروں میں اس میعاد کے متعلق متعدد اقوال نقل ہوئے ہیں، لیکن بہتر یہی ہے کہ کسی میعادِ معیّن کا حکم نہ لگایا جائے، بلکہ ایک طویل مدت مراد لی جائے''۔ اسی کے بعد تفسیر کبیر کا یہ جملہ نقل ہوا ہے: **والصحيح أن هذه المقادير غير معلومة**۔ (صحیح یہ ہے کہ یہ تمام مقادیر غیر معلوم ہیں) اور قدر معلوم یہ ہے کہ وہ طویل مدت تک محبوس رہے''۔

اس بحث پر یہ اضافہ و تبصرہ کرنا ضروری ہے کہ جب کار پردازانِ حکومت نے اپنی مصلحت سے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید کرنے کا فیصلہ کیا تھا تو اس وقت مدّتِ قید متعین نہیں تھی، جیسا کہ قرطبی و رازی وغیرہ نے صراحت بھی کی ہے اور جیسا کہ فقرۂ قرآنی بتاتا ہے۔

لیکن اس سے بعض روایات میں جو مدتِ طویلہ مراد لی گئی ہے وہ بالکل صحیح نہیں ہے، کیونکہ مدتِ قید کی تعیین ہی نہیں کی گئی تھی اور نہ اس کا منصوبہ تھا۔ دوسرے اس 'مدت' کا حضرت یوسف علیہ السلام کی حقیقی مدتِ قید سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس کا تعلق تو اہلِ اقتدار کے منصوبے سے تھا۔ اس قسم کی گرفتاری اور قید قدیم قوانین ہی کا دستور نہ تھا، بلکہ ہمیشہ ہوتا رہا ہے اور آج بھی تمام متمدن ممالک میں اسی طرح بلا تعیینِ مدت قید کر دیا جاتا ہے۔

آیتِ کریمہ میں لفظ 'بضع سنین' کے معنی

بیانِ الٰہی ہے: ''۔۔۔فَلَبِثَ فِیْ السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ''یوسف : ۴۲ (پھر رہ گیا قید میں کئی برس۔ شاہ عبدالقادر) اس بیان کا مختصر واقعاتی پس منظر یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب قید ہوئے تو ان کے ساتھ دو اور شخص بھی گرفتار ہوئے تھے۔ ان دونوں نے قید میں اپنے اپنے خواب دیکھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان میں سے ایک شخص کو اس کے خواب کی یہ تعبیر بتائی کہ وہ اپنے آقا کی ساقی گری کرے گا اور اسی کو نجات یافتہ جان کر ہدایت کی تھی کہ جب وہ جیل سے نجات پا کر اپنے آقا کے پاس جائے تو ان کا (یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کا) ذکر کرے، مگر شیطان نے اس نجات یافتہ قیدی کو اپنے مالک و آقا سے 'ذکرِ یوسفؑ' کی ہدایت فراموش کرا دی۔ اس کے نتیجہ میں حضرت یوسفؑ کئی برسوں تک قید میں رہے۔

قدیم و جدید مفسرین، شارحین اور مترجمین نے بالعموم لفظِ قرآنی 'بضع سنین' کا ترجمہ 'چند برسوں' سے کیا ہے، البتہ اپنی تشریحات وحواشی میں ان کی تعیین میں مختلف روایات قبول کی ہیں اور ان سب کا تنقیدی محاکمہ نہیں کیا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے اپنے حاشیہ میں تو مدت کا حوالہ نہیں دیا، البتہ تاریخی بحث اور پس منظر میں 'آٹھ سال' کی مدت لکھی ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے شیخ الہندؒ کے ترجمہ کے حاشیہ میں مدت کی تعیین ہی نہیں کی اور ترجمہ والی تعبیر 'کئی سال' پر ہی جمے رہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے سات سال اور دیگر کئی مدتیں نقل کر دی ہیں اور حسب معمول متقدمین میں سے کئی ایک کے حوالے بھی دیے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ''بضع کا اطلاق عربی میں تین سے دس تک آتا ہے۔ پس اس کے

درمیان جتنے عدد ہیں، ہر عدد کا آیت میں احتمال ہے''۔ اس طرح مولانا موصوف نے تعیین کرنے کے بجائے توسیعِ احتمال پیدا کردی ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے لکھا ہے: ''قید میں، اکثر لوگ کہتے ہیں، سات برس رہے''۔ امام ابن کثیرؒ نے حسب معمول لغوی معنی نقل کیے ہیں، جو تین سے دس عدد تک کی وسعت رکھتے ہیں، مگر اس سورۂ کریمہ میں امام موصوف نے حضرات مجاہد وقتادہؒ کی تصریح 'بضع' نقل کی ہے، جو صرف تین سے نو تک ہے: ''هو ما بين الثلاث الى التسع''۔ پھر سات سال، بارہ سال، چودہ سال وغیرہ کی متعدد روایات بھی نقل کی ہیں۔ ایک اہم تشریح حضرت وہب بن منبہؒ سے نقل کی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام سات برس مبتلائے مرض رہے، حضرت یوسف علیہ السلام سات برس قید میں رہے اور بخت نصر کو بھی سات برس کا عذاب ملا: ''مكث أيوب في البلاء سبعاً، ويوسف في السجن سبعاً وعذب بختنصر سبعاً''۔ ۳؎

امام رازیؒ نے حسب دستور 'بضع سنین' کے بارے میں دو بحثوں کا ذکر کیا ہے: بحث اول کے تحت انھوں نے زجاج سے 'بضع' کے لغوی معانی نقل کیے ہیں کہ اس کا اشتقاق 'بضعت' بمعنی 'قطعت' ہے اور اس کا معنی عدد کا قطعہ/ٹکڑا ہے۔ فراء کا قول ہے کہ 'بضع' تین سے نو تک کے عدد کے لیے مخصوص ہے۔ عرب اسی طرح کہتے ہیں اور وہ 'بضع ومائة' نہیں کہتے، البتہ وہ 'عشر'، 'عشرين' سے 'تسعين' تک 'بضع' لگاتے ہیں۔ امام شعبیؒ کی روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ 'بضع کتنا ہوتا ہے؟ پھر خود ہی وضاحت فرمادی کہ وہ دس سے کم ہوتا ہے۔ اکثر لوگوں کا اتفاق ہے کہ یہاں 'بضع سنین' سے سات سال مراد ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اپنے قیدی ساتھی سے نجات کے بعد بادشاہ سے اپنا ذکر کرنے کی بات کہی تھی تو ان کو جیل میں مقیم ہوئے پانچ سال ہوچکے تھے اور اس گفتگو کے بعد ان کو مزید سات سال جیل میں رہنا پڑا۔ اس کے بعد امام رازیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے اور حضرت حسن بصریؒ کا قول وتبصرہ بھی بیان کیا ہے۔ دونوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یوسف نے اللہ تعالیٰ کے بجائے انسانوں سے تضرّع واستمداد کا معاملہ کیا تھا، لہٰذا مزید قید کی مصیبت اٹھانی پڑی۔ ۴؎

امام المفسرین طبریؒ نے حسب معمول 'بضع' کی مقدار میں اہل التاویل کے اختلافات کا ذکر کر کے ان کو الگ الگ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

۱۔ بعض کا بیان ہے کہ اس سے سات سال مراد ہیں۔ اس کے قائلین میں قتادہ، وہب اور ابن جریج کا ذکر کیا ہے۔ حضرت وہب بن منبہ کے قول میں حضرت ایوبؑ، حضرت یوسفؑ اور بخت نصر کی سات سالہ قید و گردش کا بھی ذکر ہے۔

۲۔ دوسروں کا قول ہے کہ 'بضع تین سے نو تک ہوتا ہے۔ یہ قتادہ اور مجاہد کا قول ہے۔ اس طرح حضرت قتادہ کی طرف سات اور تین سے نو سال کے دو اقوال منسوب کیے گئے ہیں۔

۳۔ بعض دوسروں کا بیان ہے کہ وہ دس سے کم پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کے قائلین میں حضرت ابن عباسؓ اور فراء کا قول ہے، جس کا ذکر امام رازیؒ کے حوالے سے بھی آچکا ہے۔ اس کی ایک نسبت رسولِ اکرم ﷺ کی طرف بھی کی گئی ہے۔

پھر امام طبریؒ نے اپنی رائے دی ہے کہ 'بضع' میں تین سے نو، دس تک شامل ہوتے ہیں۔ وہ تین سے کم اور دس کے اوپر نہیں ہوتا۔ ۵؎ ابن منظور افریقی نے بھی اسی سے اتفاق کیا ہے، البتہ لفظ 'بضع' کا املا بالفتح والکسر دونوں بتایا ہے، یعنی 'البَضْعُ والبِضْعُ'۔ تین سے نو تک کے قول کو مرجوح بیان کیا ہے۔ مختلف اقوال واحادیث سے مستند کیا ہے۔ ۶؎

اقوالِ مفسرین کا تجزیہ

'بضع سنین' سے مفسرین، شارحین اور اہل علم وفن نے متعدد معیّن میعادیں مراد لی ہیں۔ ان کا تجزیہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

۔ اہلِ لغت کے مطابق 'بضع' کا اطلاق تین سے نو یا دس کے عدد تک ہوتا ہے، لیکن وہ بہر حال دس سے کم ہوتا ہے۔ لہٰذا تین، چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ، نو برسوں کی مدت میں سے کوئی مدت ہوسکتی ہے۔

۔ مولانا تھانویؒ اور ان کے ہم نواؤں نے دس کا عدد بھی شامل کرلیا ہے، جو بظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے کہ روایات اس کے خلاف ہیں۔ تھانوی نقطۂ نظر سے اس قیدِ یوسفی کی

مدت متعین نہیں اور اس کے بارے میں آٹھ مدتوں کے احتمالات ہیں، جب کہ دوسرے نقطۂ نظر کے مطابق صرف نو برسوں تک کے کل سات احتمالات ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ دونوں محض احتمالات ہی ہیں۔

- حضرت وہب بن منبہؒ نے بعض دوسرے واقعات وقصصِ انبیاء کی بنیاد پر قید یوسفی کی مدت سات سال قطعی طور پر متعین کی ہے۔

- شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے اسے 'اکثر' کا قول قرار دیا ہے۔ یہ امام المفسرین طبریؒ اور رازیؒ وغیرہ کی روایات سے ماخوذ ہے۔

- مولانا دریابادیؒ نے لکھا ہے کہ ''اس چند سال کی مدت کی تعیین کہیں سے نہ ہوسکی، البتہ یہ واضح ہے کہ یہ میعاد نو سال کے اندر ہی تھی۔ عربی میں 'بضع' کا اطلاق تین (۳) سے نو (۹) کے عدد تک ہوتا ہے اور آیت کے الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کی مدتِ قیام جیل میں، ان دونوں کے چھوٹنے کے بعد بھی کئی سال کی رہی۔ ہوسکتا ہے کہ 'بضع سنین' سے مراد آپ کی مدت جیل کے اندر بسر کرنے کی ہو''۔

مولانا دریابادی نے بالخصوص اس کے بعد توریت کے متعلقہ اقتباسات بھی دیے ہیں، جن میں سردار ساقی کے حضرت یوسف علیہ السلام کو بھول جانے، بادشاہ کے خواب، اہل دربار کی تعبیرِ خواب سے عجز کا ذکر کر کے سردار ساقی کے حضرت یوسف علیہ السلام کو یاد کرنے کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کا قرآن مجید کی اگلی آیتِ کریمہ میں بھی واضح بیان ہے اور وہ قیدِ یوسف کی میعاد کی تعیین میں کافی مدد کرتا ہے۔

شاہی ساقی کی یاد آوری کی مدت

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے جس قیدی ساتھی کو نجات کی خوش خبری اور بادشاہ سے ان کا ذکر کرنے کی ہدایت کی تھی، اس کو شاہِ وقت کے خواب دیکھنے اور اس کی تعبیر بتانے سے اہلِ دربار کی عاجزی کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کی یاد آ گئی۔ قرآن مجید میں اس کا بیان ان الفاظ میں ہے:

وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُم بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ۔ (یوسف:۴۵)	اور بولا وہ جو بچا تھا ان دونوں میں اور یاد کیا مدت کے بعد، میں بتاؤں تم کو اس کی تعبیر، سوتم مجھ کو بھیجو۔ (شاہ عبد القادر دہلوی)

قرآن مجید میں اس کو 'امۃ' کہا گیا ہے۔ مفسرین ومترجمین نے بالعموم اس کا ترجمہ و شرح 'مدت یا ایک مدت' کیا ہے۔ مولانا دریابادیؒ نے لکھا ہے: ''امۃ مدتِ طویل کے معنی میں ہے'' اور کشاف و بحر کی عبارت نقل کی ہے: 'أي بعد مدة طويلة'۔ دوسرے مفسرین و مترجمین نے بھی یہی مراد لیا ہے۔ ۷؎

قیدِ یوسفؑ سے متعلق تمام آیات اور ان کی تفسیری روایات سے حسب ذیل تجزیاتی تصویر بنتی ہے:

۱۔ صاحبانِ اقتدار نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید کرنے کا فیصلہ کیا تو ایک غیر متعین مدت کے لیے ان کو جیل بھیج دیا۔ اسی کو بعض مفسرین نے 'طویل مدت' کہا ہے اور بعض دوسروں نے اس مدتِ طویل کی مختلف مقداریں متعین بھی ہیں۔ لیکن لفظ ونظمِ قرآنی سے نہ تو وہ طویل مدت ثابت ہوتی ہے اور نہ اس کی قیاسی مدتیں صحیح ہیں۔ وہ بس ایک مدت تھی۔ بقول دریابادیؒ ''جب تک مزاجِ شاہ میں آتا، قید رکھتا''۔ پھر وہ تو قید کرنے کا منصوبہ تھا، اصل اور واقعی قیدِ حضرت یوسف علیہ السلام نہ تھی۔

۲۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ہی دو اور نوجوان بھی قید ہوئے تھے اور دونوں نے اپنی قید کے آغاز ہی میں اپنے اپنے خواب دیکھے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی تعبیر بھی قید کے اولین دنوں میں بتائی تھی۔ قرآن مجید نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ان دونوں نوجوانوں کے داخلِ زنداں ہونے کی صراحت لفظ 'معه' سے کی ہے۔

۳۔ نجات یافتہ نوجوان قیدی، جو بعد میں شاہی ساقی بنا، اپنی رہائی کے بعد شیطانی کارروائی سے ذکرِ یوسفی فراموش کر بیٹھا۔

۴۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس کے نسیان کے بعد 'بضع سنين' قید میں رہے۔

۵۔ نجات یافتہ قیدی اور ساقی شاہ نے ایک مدت کے بعد حضرت یوسفؑ کو یاد کیا

اوران سے تعبیر خواب پوچھنے جیل پہنچا۔

۶ - 'ایک مدت' 'بضع سنین' بھی ہوسکتی ہے، یا اس سے کچھ کم بھی ہوسکتی ہے۔

'بضع سنین' کی دوسری آیتِ کریمہ

حیرت کی بات ہے کہ مذکورہ بالا تمام قدیم وجدید مفسرین ومترجمین نے قرآن کریم کی اس دوسری آیت کا حوالہ نہیں دیا، جس میں 'بضع سنین' کے الفاظ آئے ہیں اور نہ اس سے متعلق روایاتِ تفسیر وحدیث کا ذکر کیا ہے، حالاں کہ وہ سب اس اصول سے پوری طرح واقف ہیں کہ قرآن مجید کے بعض حصے بعض دیگر حصوں کی تفسیر کرتے ہیں۔ ان میں وہ بزرگانِ قدیم وجدید بھی شامل ہیں جو نظم قرآنی کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ بہرحال قرآن کریم کی اس دوسری آیتِ کریمہ سے سورۂ یوسف کی مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کے فقرہ کے قطعی معنیٰ کی تعیین میں مدد ملتی ہے، خاص کر اس آیتِ کریمہ سے متعلق روایاتِ تفسیر سے اوران سے زیادہ احادیثِ نبوی سے، جو وحی الٰہی کا دوسرا مظہر ہیں۔۸

'بضع سنین' کا دوسرا موقعِ استعمال سورۂ روم کی ابتدائی آیات کا ہے:

الٓمّٓ۔ غُلِبَتِ الرُّومُ۔ فِيْ أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ۔ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ۔ (الروم:۱-۴)	دب گئے ہیں روم، لگتے ملک میں اور وہ اس دبنے پیچھے اب غالب ہوں گے، کئی برس میں۔ (شاہ عبدالقادر دہلویؒ)

حضرت شاہ موصوف نے اپنے موضح القرآن میں کئی برس کی تشریح 'دس برس سے کم' سے کی ہے، جب کہ حضرت شاہِ بزرگ نے چند سال کی تعیین نہیں کی۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے 'بضع' کے لغوی معنیٰ 'تین سے نو تک' بیان کرنے کے بعد 'نو سال کے اندر اندر' تعیین کی ہے اور تاریخی توقیت ۶۱۴ - ۶۲۴ء کی ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے نہ جانے کیوں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مذکورہ بالا تعبیر 'دس سال کے اندر' قبول کرلی ہے، جو بہرحال حضرت سعید بن جبیرؒ کی ایک تعبیر بھی ہے۔ دوسرے متعدد مفسرین ومترجمین میں مولانا دریابادیؒ بھی شامل ہیں، جو اس کی تعیین 'نو سال کے اندر' ہی کرتے ہیں۔ ان تمام تعبیرات وتشریحات کا انحصار ان

روایات پر ہے جو احادیثِ نبوی اور تفسیری روایات میں صحیح ترین سمجھی جاتی ہیں۔

تاریخی روایات وواقعات میں مولانا مودودیؒ اور مولانا دریابادیؒ نے بالخصوص اور بعض دوسروں نے بالعموم سابقہ کتبِ سماویہ اور دوسری تاریخی کتب کا حوالہ دیا ہے۔ ان کے علاوہ جدید عہد کے مشہور و معتبر مورخ گبن کی تالیف 'رومی سلطنت کا عروج و زوال' (طبع ماڈرن لائبریری نیویارک، جلد دوم، ص۷۸۸ ومابعد) کے حوالے سے قرآنی پیش گوئی کے وقت رومی غلبہ کا امکان نہ ہونے اور بعد میں اس کے صحیح ہونے کا ذکر بھی کیا ہے۔

'بضع سنین' سے متعلق احادیث وروایات

مفسرین کرام نے سورۂ یوسف آیت ۴۲ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ کے ضمن میں نہ احادیثِ نبوی نقل کی ہیں اور نہ تفسیری روایات، البتہ انھوں نے بعض تابعین وغیرہ کے اقوال ضرور نقل کیے ہیں، جو اپنے اطلاق و تعیین میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، جب کہ سورۂ روم آیت ۴ کی تفسیر میں بعض صحیح مرفوع احادیث نقل کی گئی ہیں اور اس سے متعلق تفسیری روایات اور تاریخی واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں تعیینِ مدت کا اختلاف ضرور ملتا ہے، مگر وہ اختلافِ احوال کی بنا پر ہے، اصل مدت کی تعیین میں اختلاف بالکل نہیں ہے۔ جن مفسرین نے ان تمام متعلقہ روایات و احادیث کا دروبست، سیاق و سباق اور اطلاق نہیں سمجھا ہے، انھوں نے غلطی کی ہے۔

تمام مفسرین نے بالعموم اور امام ابن کثیرؒ نے بالخصوص سورۂ روم کی ابتدائی آیات کی شانِ نزول بیان کی ہے۔ شہنشاہِ ایران شاپور نے جب بلادِ شام اور اس کے ملحقہ علاقوں پر قبضہ کرلیا تو شہنشاہِ روم ہرقل مجبور ہوکر قسطنطنیہ میں پناہ گزیں ہوا۔ ایرانیوں نے اس کا طویل مدت تک محاصرہ بھی کیا۔ بہرحال روم پر اس ایرانی غلبہ کے بعد ہی یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئی تھیں اور ان میں یہ بشارت دی گئی تھی کہ 'بضع سنین' (ایک مدت/ چندسالہ مدت) کے بعد ہی رومیوں کو غلبہ حاصل ہوگا اور اسی دن اہلِ ایمان کو بھی نصرتِ الٰہی ملے گی۔ روایات و احادیث کے مطابق مشرکینِ مکہ کو ایران کے غلبہ سے خوشی ہوئی کہ وہ ان ہی کی طرح بت پرست تھے، جب

کہ مسلمانانِ مکہ کو رومی غلبہ سے دلچسپی تھی اور وہ ان کی مغلوبیت سے پریشان خاطر تھے کہ وہ بہرحال ان کی مانند اہلِ کتاب تھے۔ تمام مسلمانوں کو اور بالخصوص حضرت ابوبکر صدیقؓ کو رومی غلبہ کی نویدِ الٰہی سے دلی مسرت ہوئی، بلکہ ان کو یقین ہوگیا، کیونکہ وہ فرمانِ الٰہی تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مشرکینِ مکہ سے اس کا اظہار کیا اور انھوں نے حضرت صدیقؓ کو شرط مقرر کرنے پر مجبور کردیا۔ اس نکتہ پر روایات کا اختلاف ملتا ہے کہ ابتدا میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے 'بضع سنین' کی مدت پانچ سال مقرر کی تھی، مگر پانچ سال گذر گئے تب بھی خوش خبری واقعہ نہیں بنی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کا ذکر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ دس سال کے اندر (دون العشر) کا تقرر کرنا چاہیے تھا۔ اس مدتِ معینہ کے بعد واقعتاً رومیوں کو ایران پر غلبہ مل گیا۔ بعض دوسری روایات میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے 'بضع سنین' ہی کہا تھا، لیکن جب مشرکینِ مکہ نے اسے ایک متعین مدت بنانے پر زور دیا تو انھوں نے پانچ، چھ یا سات سال کی مدت متعین کی تھی۔ بہرحال یہ 'بضع سنین' کی تعیین کی ایک کوشش تھی۔ اس سے بہتر بات یہ ہے کہ مشرکین مکہ ایک متعینہ مدت کا معاہدہ کرنا چاہتے تھے اور وہ پانچ، چھ یا سات سال کی تعیین کی کوششوں میں نظر آیا۔ اس مدت کے بعد بھی جب رومیوں کو غلبہ نہیں ملا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین سے 'بضع سنین' کی مدت یا تعریف پوچھی۔ جواب میں انھوں نے دس سال سے کم (دون العشر) بتائی تو آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس مدت کے اندر شرط لگانے کی اجازت دے دی اور قریش نے بھی خوش دلی سے سات میں دو سال کا اضافہ منظور کرلیا، کیونکہ ان کی اپنی لغت میں بھی اور محاورہ میں بھی بضع کی انتہائی مدت نو سال بنتی تھی۔ تمام اولین مدتیں ۔۵، ۶، ۷۔ وغیرہ محض قیاسی مدتیں تھیں۔ اضافہ شدہ دو سال کے گزرنے سے قبل ہی رومی غلبہ کا وعدۂ الٰہی پورا ہوگیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ شرط جیت گئے۔

دوسری روایات یہ بتاتی ہیں کہ مشرکینِ مکہ نے جب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ تمہارے صاحب [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] ایران پر روم کے غلبہ کی خوش خبری دیتے ہیں، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ وہ بالکل صحیح کہتے ہیں۔ اس پر قریش نے مدت مقرر کرنے کی بات کہی تو انھوں نے پانچ یا سات برس مقرر کردی، مگر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں نو سال (یعنی دس سے

کم) مدت مقرر کرنے کا حکم دیا، چنانچہ انھوں نے فوراً ہی قریش سے اپنے 'معاہدہ' میں نو سال کی مدت مقرر کردی۔ یعنی ان روایات میں پانچ یا سات سال گزرنے کے بعد رومیوں کو غلبہ نہ ملنے کا ذکر نہیں ہے۔ بہرحال نو سال کی مدت کے اندر ہی ایران پر رومیوں کو فتح حاصل ہوگئی۔ اس طرح 'بضع سنین' کی مدت متعین ہوگئی۔ ان تمام روایاتِ تفسیر، احادیثِ نبوی اور واقعاتِ تاریخی سے واقعۂ روم میں 'بضع سنین' کی حتمی مدت نو سال طے ہوجاتی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے ان تمام روایات و احادیث کو مختلف کتبِ حدیث و تفسیر وغیرہ سے جمع کرکے ان کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ وہ مآخذ حسب ذیل ہیں:

۱۔ ترمذی و نسائی بروایتِ حسین بن حریث۔ پانچ سال کی مدت میں اضافہ دس کے اندر۔ بقول ترمذی حسن غریب ہے۔

۲۔ ابن ابی حاتم بروایتِ ابواسحاق فزاری۔ مذکورہ بالا۔

۳۔ ابن جریر بروایت محمد بن المثنیٰ۔ مذکورہ بالا۔

۴۔ 'حدیث آخر' کے تحت روایتِ دیگر، جس میں پانچ سال کے گذرنے کا ذکر ہے۔ مذکورہ بالا امامین نے اس کی روایت کی ہے۔

۵۔ روایتِ ابن جریر بروایت حضرت ابن مسعودؓ، جس میں آیتِ کریمہ کی شانِ نزول اور 'بضع' کی تعریف و تعیین ہے: 'دون العشر'۔

۶۔ دیگر حدیث نئی سرخی کے ساتھ بروایتِ ابن ابی حاتم۔ اس میں بھی 'بضع سنین' کی مدتِ متعینہ ہے اور فرمانِ نبوی کا بھی ذکر ہے۔

۷۔ حدیثِ آخر کے تحت ترمذی کی حدیث حضرت نیار بن مکرم اسلمیؓ ہے، جس میں 'بضع' کے معنیٰ کے علاوہ چھ سالہ معاہدہ کا ذکر ہے۔ البتہ اس میں یہ اہم اضافہ ہے کہ رومیوں کو ساتویں سال غلبہ ملا تھا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ پر چھ سال کا معاہدہ کرنے کا عیب لگایا گیا تھا۔ بہرحال اس واقعہ کے بعد بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ بقول امام ترمذی یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۸۔ امام ابن کثیرؒ نے اسی طرح متعدد تابعینِ کرام، جیسے عکرمہ، شعبی، مجاہد، قتادہ،

سدی اور زہری وغیرہ سے مختلف مرسل روایات نقل کی ہیں۔

۹- اس کے بعد ایران پر روم کی غلبہ کی متعدد روایات نقل کی ہیں، جو اس قرآنی پیش گوئی اور دلیلِ نبوت کی تاریخی و واقعاتی شہادت فراہم کرتی ہیں۔۱۹؎

خلاصۂ بحث

سورۂ روم آیت ۴ سے متعلق روایات و احادیث کا اطلاق سورۂ یوسف آیت ۴۲ پر بھی کیا جانا چاہیے۔ کیونکہ ان دونوں آیات میں ایک ہی ترکیب (بضع سنین) استعمال ہوئی ہے اور وہ قرآن کریم کی شہادت بھی ہے اور تفسیر بھی۔ بلاشبہ سورۂ روم کی آیت کی تفسیر میں مذکور بعض روایات میں سات برس کی مدت کی تعیین بھی ملتی ہے، مگر وہ نو برس کی مدت کے مقابلے میں زیادہ قوی نہیں ہے۔ 'بضع سنین' سے نو برس کی مدت مراد لینے سے متعلق متعدد احادیث و روایات اور اقوال ہیں۔ یہ کثرت بھی اس کی قوت کی ضامن ہے۔ مزید برآں ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سات برس کی مدت کے معاہدے پر فرمانِ نبوی سے دو سال کا اضافہ کر کے نو سال کی مدت طے کی تھی۔ ان دو اضافی برسوں کے گذرنے سے پہلے ہی قرآنی پیش گوئی واقعہ بن گئی تھی اور رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے تھے۔ لہٰذا 'بضع سنین' سے مرادِ الٰہی بھی نو سال کی مدت تھی، جو عرب لغت کے مطابق اس کی آخری حد تھی اور جس کو عرب بھی تسلیم کرتے تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ صحیح حدیث کے مطابق اس موقع پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نو برس کی مدت مقرر کی تھی۔

قرآن و حدیث، تفسیر و روایات اور تاریخ سب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو مدت رومی فتح و غلبہ کے لیے مقدر کی گئی تھی وہی حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کی مدت تھی۔ خاص کر لفظ و نظمِ قرآنی کے اطلاق سے یہی انتہائی مدت حتمی لگتی ہے۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی مدتِ قید نو برس تھی۔ وہ مدت معلوم بھی ہے اور شواہد و قرائن سے طے شدہ بھی، لہٰذا جن روایات و اقوال میں اس مدتِ قید کو غیر معلوم، غیر معین اور غیر یقینی کہا گیا ہے وہ ان کے قائلین کے قیاس و استنباط پر مبنی ہیں، جو صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح بعض روایات میں

'بضع' کے معنیٰ سات برس بتائے گئے ہیں اور اسے بقول طبریؒ اکثر کا قول بھی کہا گیا ہے، وہ بھی قیاسی ہے، حتیٰ کہ حضرت وہب بن منبہؒ کا قول، جس میں حضرت ایوب علیہ السلام کے مبتلائے آزار رہنے کی مدت بتائی گئی ہے، اختلاف کا شکار ہے۔ طبری میں ان کی طرف سات برس کا قول منسوب ہے، جب کہ ابن کثیرؒ نے سورہ انبیائ، آیت ۸۳ میں واقعۂ حضرت ایوب علیہ السلام کے ضمن میں وہب بن منبہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ان کی مدتِ ابتلا صرف تین سال تھی، نہ اس سے کم نہ زیادہ: ''**وقال وهب بن منبه: مكث فى البلاء ثلاث سنين لا يزيد و لا ينقص**''۔ اور اس سے ذرا قبل سات سالہ مدتِ ابتلاء کا قول حضرات حسنؒ وقتادہؒ کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے۔ ۱۸؎ اس لیے تمام روایات واقوال اور استنباطات وقیاسات کے مقابلے میں حدیث نبوی، غلبۂ روم کی پیش گوئی اور واقعۂ تاریخی کے باب میں بیان کردہ نوسالہ مدت قابلِ ترجیح ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی مدتِ قید ہر اعتبار سے صرف نو سال ٹھہرتی ہے کہ وہ آیات کریمہ، حدیثِ صحیح اور محاورۂ عرب سب کے مطابق ہے۔

حواشی ومراجع

۱؎ سید رضوان علی ندوی (الاشباہ والنظائر فی القرآن کریم: ایک تنقیدی مطالعہ، ششماہی جہات الاسلام، لاہور، جلد۱، شمارہ ۲، جنوری۔ جون ۲۰۰۸ئ، ص ۶۳) نے مذکورہ کتاب کے مصنف مقاتل بن سلیمان (م ۱۵۰ھ/۷۶۷ئ) کے اردو ترجمہ از ابوالنصر محمد خالدی پر نقد کرتے ہوئے امام رازیؒ کی تفسیر کبیر سے نقد نقل کیا ہے: **والصحيح أن هذه المقادير غير معلومة** (اور صحیح بات یہ ہے کہ ان کے جیل میں رہنے کی مدت معلوم نہیں)''۔ پروفیسر رضوان علی ندوی کے نقل اقتباس سے متعلق اور بحث تو بعد میں آتی ہے، مگر اس جگہ یہ کہنا ضروری ہے کہ مذکورہ بالا عربی جملے کا ترجمہ صحیح نہیں ہے۔ اس جملے میں جیل میں رہنے جیسی کوئی بات نہیں ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہے: ''صحیح یہ ہے کہ یہ مقداریں غیر معلوم یا غیر متعین ہیں''۔ مزید یہ کہ جس آیتِ کریمہ کے سیاق میں ان مقادیر کا ذکر آیا ہے اس کا تعلق قید کی مدت سے نہیں ہے۔ اس پر مزید بحث آگے آتی ہے۔

۲؎ حضرت شاہ نے فتح الرحمن کے حاشیہ میں، ان کے فرزند گرامی نے موضح القرآن میں اور دوسرے بیش تر مفسرین وشارحین، جیسے مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، مولانا شبیر احمد

عثمانیؒ اور علامہ ابن کثیرؒ وغیرہ نے اربابِ حل وعقد کی جانب سے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید کرنے کی مصلحت یہ بتائی ہے کہ زلیخا کی بدنامی دور ہو اور قیدِ یوسفؑ سے اس کا چرچا بند ہو۔ قدیم مفسرین اور اکابر شارحین کے اقوال و آراء پر ہی یہ قیاسی تفسیر وتشریح مبنی ہے۔ نظمِ قرآن کریم اس کی تائید نہیں کرتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے 'تاویل الاحادیث' اور 'تفہیمات' میں قید یوسف علیہ السلام کا راز (سِرّ) یہ بیان کیا ہے کہ ان کی عصمت و پاکیزگی کا اعلانِ عام ہو اور خود 'مجرمات' کی زبان سے اپنی خطا اور ان کی بے گناہی کا برسرِ عام اعتراف ہو۔ ملاحظہ ہو مضمونِ خاک سار مذکورہ بالا، نیز تاویل الاحادیث کی بحث)

۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، عیسیٰ البابی، طبع مصر، غیر مورخہ، ۲/ ۴۷۹-۴۸۰؛ ۳/ ۱۸۸ و مابعد

۴۔ فخر الدین رازی، التفسیر الکبیر، بیروت، لبنان ۱۹۹۷ئ، جلد ششم، ص ۴۶۲-۴۶۳۔ اس مسئلہ کی دوسری بحث ندارد ہے۔ متعدد دوسرے مفسرین نے انسانی استمداد کی سزا میں قید کے طول پانے کا ذکر کیا ہے، مگر دریابادی، تھانوی، مودودی اور کئی دوسرے مفسرین نے اس کی تردید کی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قید، اس کی مدت اور اس کا طول سب ایک خاص حکمتِ الٰہی کی بنا پر تھا، وہ بطور سزا نہیں تھا۔

۵۔ طبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، تحقیق محمود شاکر، بیروت ۲۰۰۱ئ، ۱۱/ ۲۶۷-۲۶۸

۶۔ لسان العرب: البَضْعُ و البِضْع

۷۔ لفظ قرآنی 'امۃ' کے مختلف مدلولات و معانی میں سے ایک 'طویل مدت' بھی ہے، یا صرف 'مدت' اگر وہ نکرہ اور بلاصفت ہو۔ ملاحظہ ہو کتب تفسیر میں اس پر بحث۔

۸۔ خاک سار نے اپنی کتاب 'وحی حدیث' طبع دہلی ۲۰۰۴ء میں حدیث کے وحی الٰہی ہونے اور قرآنی وحی کے توأم ہونے کی حقیقت پر مفصل و مدلل بحث کی ہے۔

۹۔ تفسیر ابن کثیر، ۳/ ۴۲۲-۴۲۳ و مابعد؛ شبیر احمد عثمانی کا حاشیہ نمبر ۷، جس میں نو سال کے معاہدہ اور فتحِ روم کا مختصر ذکر ہے۔

☆☆☆